بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ

اخبار احمدیہ

جرمنی

جماعت احمدیہ

جرمنی کا ترجمان

نگران: مبارک احمد تنویر، انچارج شعبہ تصنیف　　　مدیر: حامد اقبال

جلد نمبر 18 شمارہ نمبر 07۔ ماہ وفا 1392 ہجری شمسی بمطابق جولائی 2013ء

قرآن کریم

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ

(البقرۃ:186)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اُتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق و باطل میں فرق کردینے والے امور ہیں۔

اقتباس حضرت مسیح موعود علیہ السلام

”شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ ۔یہی ایک فقرہ ہے جس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم (روزہ) تجلی قلب کرتا ہے۔تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلی قلب سے یہ مراد ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔پس اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ میں یہی اشارہ ہے اس میں شک وشبہ کوئی نہیں ہے روزہ کا اجر عظیم ہے۔۔۔خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں ایک عبادات مالی اور دوسرے عبادات بدنی۔عبادات مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جس کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ۶۰ سال جب گذرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آ جاتا ہے یہ ٹھیک کہا کہ پیری وصد عیب اور جو کچھ انسان جوانی میں کر لیتا ہے اُسی کی برکت بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اُسے بڑھاپے میں بھی صد ہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔موئے سفید از اجل آرد پیام۔انسان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے روزہ کے بارے میں خدا فرماتا ہے وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔

میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اس کے ساتھ شریک کی جائیں گی۔اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہونگی (اور فرمایا) فرقان کے بھی یہی معنے ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی۔۔۔**اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔۔۔۔ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں۔۔۔اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی میں کہتا ہوں در حقیقت یہی ایک ہتھیار ہے جواب بھی کارگر ہوگا**۔اور پہلے بھی قرن اول میں یہی ایک حربہ تھا جو خود حضور سرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہ کے ہاتھ میں تھا۔مبارکی اور صد ہزار مبارکی ہے اس قوم کو جو اس کے اختیار کرنے اور اسی یگانہ کتاب کو اپنا مایہ ایمان قرار دینے میں ذرا بھی تذبذب میں نہیں پڑی بڑے جوش اور خوشی سے آگے بڑھ کر اس فرقان اور نور کو لبیک کہا“

(الحکم جلد۴، ۳۷ مورخہ ۱۲۷ کتوبر ۱۹۰۰ء۔صفحہ ۵۔بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اول صفحہ ۶۴۷۔۶۴۸)

”هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ یعنی قرآن میں تین صفتیں ہیں۔اول یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ اجمال چلا آتا تھا ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا تھا ان میں قول فیصل بیان کر کے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے“

(براہین احمدیہ حصہ سوم۔روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۲۵۲ حاشیہ نمبر ۱۱)

حدیث

روزہ کی اہمیت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ. وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ : اِنِّیْ صَائِمٌ .وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ، وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ

(بخاری کتاب الصوم باب هل یَقُوْلُ انی صائم اِذَا شئتم)

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کے سب کام اس کے اپنے لیے ہیں مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا بنوں گا یعنی اس کی اس نیکی کے بدلہ میں اسے اپنا دیدار نصیب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ ڈھال ہے، پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بیہودہ باتیں کرے نہ شور و شر کرے اگر اس سے کوئی گالی گلوچ ہو یا لڑے جھگڑے تو وہ جواب میں کہے کہ میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا یہ حال خدا تعالیٰ کی خاطر کیا ہے۔ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں مقدر ہیں ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَكَةً.

(بخاری کتاب الصوم باب بركة السحور)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزے کے دنوں میں سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھا کر روزہ رکھنے میں برکت ہے

عَنِ الرِّبَابِ عَنْ عُمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ تَمْرًا فَالْمَآءُ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ وَقَالَ: اَلصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْكِیْنِ صَدَقَةٌ وَهِیَ عَلٰی ذِیْ الرِّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ

(ترمذی کتاب الزکوة باب فِیْ الصدقة عَلی ذی القرابة)

حضرت رباب اپنے چچا حضرت سلمان بن عامرؓ سے بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا افطاری کھجور سے کرو اور اگر کھجور کسی کو میسر نہ ہو تو سادہ پانی سے کرو۔ اسی طرح فرمایا کہ کسی غریب کی مدد کرنا تو صرف صدقہ ہے لیکن اپنی کسی غریب عزیز کی مدد کرنا دُہرا ثواب ہے یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

مشعلِ راہ

رمضان کے مہینے کو قرآن کریم سے ایک خاص نسبت ہے

حضرت خلیفة المسیح الخامس ایده اللّٰه تعالٰی بنصره العزیز

رمضان کو قرآن کے ساتھ ایک خاص نسبت ہے اس کے متعلق حضرت خلیفة المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’رمضان کے مہینے کو قرآن کریم سے ایک خاص نسبت ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا جو میں نے تلاوت کی ہے کہ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن۔ یہ فرما کر واضح فرما دیا کہ رمضان کے مہینے کے روزے یونہی مقرر نہیں کر دیئے گئے۔ بلکہ اس مہینے میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی یا اس کا نزول ہونا شروع ہوا۔ اور احادیث میں ذکر ملتا ہے کہ جبریل علیہ السلام ہر سال رمضان میں آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم کا جو حصہ اترا ہوتا تھا اس کی دوہرائی کرواتے تھے۔ پس اس مہینے کی اہمیت اس بات سے بڑھ جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی آخری اور کامل شریعت اس مہینے میں نازل ہوئی یا اس کا نزول شروع ہوا۔

پس اللہ تعالیٰ نے جب ہمیں روزوں کا حکم دیا تو پہلے یہ فرمایا کہ روزے تم پر فرض کئے گئے ہیں اور پھر یہ ہے کہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی۔ اس کے بعد کی جو آیات ہیں ان مین پھر بعض اور احکام جو رمضان سے متعلق ہیں وہ دیئے اور یہ واضح فرما دیا کہ روزے رکھنا اور عبادت کرنا صرف یہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس مہینے میں قرآن کریم کی طرف بھی تمہاری توجہ ہونی چاہئے۔ اس کے پڑھنے کی طرف تمہاری توجہ ہونی چاہئے۔ روزوں کی اہمیت اس لئے ہے اور اس لئے بڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں انسان کامل پر اپنی آخری اور کامل شریعت نازل فرمائی جو قرآن کریم کی صورت میں نازل ہوئی۔ خدا تعالیٰ کا قرب پانے اور دعاؤں کے اسلوب تمہیں اس لئے آئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں وہ طریق سکھائے جس سے اس کا قرب حاصل ہو سکتا ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ پس اس کتاب کو پڑھنا بھی بہت ضروری ہے۔ رمضان میں اس کی تلاوت کرنا بھی بہت ضروری ہے تا کہ سارا سال تمہاری اس طرف توجہ رہے۔ آنحضرت ﷺ کے آخری رمضان میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو دو مرتبہ قرآن کا دور مکمل کروایا۔

پس اس سنت کی پیروی میں ایک مومن کو بھی چاہئے کہ دو مرتبہ قرآن کریم کا دور مکمل کرنیکی کوشش کرے۔ اگر دو مرتبہ تلاوت نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک مرتبہ تو خود پڑھ کر کریں‘‘

فرمایا:

’’پس یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے اس مسیح محمدی کی جماعت میں شامل ہو کر اللہ تعالیٰ کی کامل شریعت جو قرآن کریم کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے اس کے مقام کو سمجھنے کا عہد کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مقام خاتمیت نبوت کا ادراک حاصل کیا ہے جبکہ دوسرے مسلمان اس سے محروم ہیں۔ پس یہ اعزاز ہمیں دوسروں سے منفرد کرتا ہے اور اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو سمجھیں اور اس کی حقیقت کو جانیں اور اس کی حقیقی عزت اپنے دلوں میں قائم کریں۔ بلکہ اس کا اظہار ہمارے ہر قول و فعل سے ہو۔ اگر اس کا اظہار ہمارے ہر قول و فعل سے نہیں تو پھر مہجور کی طرح چھوڑ دینے والی بات ہے اور یہ حالت پیشگوئی کی صورت میں خدا تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرما دی ہے۔۔۔ سورۃ الفرقان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (الفرقان: 31) اور رسول کہے گا اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے۔ ترک کر دیا ہے۔ چھوڑ دیا ہے۔ پڑھتے تو ہیں لیکن عمل کرتے نہیں۔ پس بڑے ہی خوف کا مقام ہے، ہر احمدی کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ ہم زمانہ کے امام کو اس لئے مانیں کہ ہم نے قرآن کریم کی حکومت اپنے پر لاگو کرنی ہے۔ ہم نے اس خوبصورت تعلیم کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنے کی کوشش کرنی ہے۔ پس قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اسکی اس تعلیم پر عمل ہی ہے جو ہمیں اس عظیم اور لاثانی کتاب کو مہجور کی طرح چھوڑنے سے بچائے گا‘‘

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ ۲۵ ستمبر تو یکم اکتوبر 2009۔ صفحہ ۵۔۶)

آغاز نزول قرآن کریم

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ پر ابتداء میں جو وحی نازل ہوئی وہ رؤیاء صادقہ کی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ ایسے واضح رنگ میں پوری ہوجاتی جیسے فجر کا طلوع ہوتا ہے اس کے بعد رسول کریم ﷺ کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ آپ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ بعض دوسری حدیثوں میں آتا ہے کہ ان دنوں رسول کریم ﷺ کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے زیادہ اور کوئی چیز پیاری نہیں تھی۔ چنانچہ آپ غارِ حراء میں جاتے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ عبادت کا یہ طریق تھا کہ آپ کئی راتیں غارِ حرا میں بسر کردیتے اور دن رات اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے۔ جتنا عرصہ آپ نے عبادت کا ارادہ کیا ہوتا اتنے عرصہ کیلئے آپ حراء میں ہی اپنا زاد لے جاتے اور جب وہ ختم ہوجاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے وہ اتنا ہی اور زاد تیار کرکے دے دیتیں اور آپ پھر اس کو ساتھ لے کر عبادت کیلئے غارِ حراء میں چلے جاتے۔ ایک دن آپ اسی طرح غارِ حراء میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے تھے کہ آپ پر وحی الٰہی کا آغاز ہوگیا۔ ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا اِقْرَاْ یعنی پڑھ! رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِیءٍ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں جب میں نے یہ جواب دیا تو اس نے مجھے پکڑا اور بھینچنا شروع کردیا۔ غَطّٰی کے معنے ہوتے ہیں کسی چیز کو پانی میں ڈبو دینا۔ لیکن محاورہ میں غَطّٰی بھینچنے کو کہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اس نے مجھے بھینچا اور اتنا بھینچا کہ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہوگئی۔ یعنی میں نے سمجھا کہ اگر اس نے اب مجھے زیادہ بھینچا تو میں مرجاؤں گا۔ اس کے بعد اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھ! میں نے کہا میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے پھر مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہوگئی۔ اس پر اس نے پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَاْ۔ پڑھ! میں نے کہا میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری مقابلہ کی طاقت ختم ہوگئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور (اس سورۃ کی یہ آیات پڑھنے کو) کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

اس کے بعد روای کے اپنے الفاظ میں حدیث آتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اس واقعہ کے بعد فوراً اپنے گھر واپس آئے اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اس وقت آپ کے کندھے خوف سے کانپ رہے تھے۔ رسول کریم ﷺ جب اپنے گھر پہنچے تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ۔ زَمِّلُوْنِیْ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو کپڑوں سے ڈھانک دیا یہاں تک کہ آپ کا خوف دور ہوگیا۔ اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا ہے؟ پھر آپ نے ساری بات سنائی اور فرمایا کہ مجھے تو اپنے نفس کے متعلق ڈر پیدا ہوگیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا ایسا خیال مت کیجئے بلکہ آپ خوش ہوجایئے۔ مجھے اللہ ہی کی قسم وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا کیونکہ آپ اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، ہر سچی بات کی آپ تصدیق کرتے ہیں، خدا تعالیٰ کی کسی بات کا انکار نہیں کرتے، جو لوگ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے ان کے بوجھ آپ خود اٹھاتے ہیں، ہر آنے جانے والے کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ ایسی مصائب میں مبتلا ہوں کہ اس میں ان کی شرارت کا دخل نہ ہو بلکہ حوادثِ زمانہ کی وجہ سے انہیں تکلیف پہنچی ہو آپ ان کا بوجھ بٹاتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ نے رسول کریم ﷺ کو اپنے ساتھ لیا اور آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو حضرت خدیجہؓ کے ابن عم یعنی چچازاد بھائی تھے۔ یہ ورقہ بن نوفل ان لوگوں سے میں سے جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے۔ وہ تورات کو عربی زبان میں لکھوایا کرتے تھے (یا اندھا ہوجانے سے پہلے لکھا کرتے تھے) اور جتنی خدا تعالیٰ توفیق دیتا تھا عبرانی زبان سے انجیل بھی لکھوایا کرتے تھے (یعنی اس کا عربی میں ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے تھے) وَکَانَ شَیْخًا کَبِیْرًا قَدْ عَمِیَ اور وہ ایک بوڑھے آدمی تھے جو بڑھاپے میں آکر نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے مختصراً سب حال کہا اور کہا کہ اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھائی کے بیٹے کے منہ سے سب بات سن لو۔ ورقہ نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے تو نے کیا دیکھا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا وہ تفصیلاً بتایا۔ ورقہ نے تمام باتیں سن کر کہا یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب تیری قوم تجھے نکال دے گی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں ہاں تیری قوم تجھے نکال دے گی کیونکہ آج تک کوئی شخص اس تعلیم کو لے کر نہیں آیا جس تعلیم کو تو لے کر کھڑا ہوا ہے۔ مگر اس کی قوم نے اس سے ضرور دشمنی کی ہے۔ اگر مجھے بھی وہ دیکھنا نصیب ہوا جب تو اپنی قوم کے سامنے اس تعلیم کا اعلان کرے گا اور قوم تیری شدید مخالفت کرے گی یہاں تک کہ وہ تجھے اس شہر میں سے نکال دے گی تو میں کمر باندھ کر تیری مدد کروں گا۔ مگر اس واقعہ کے تھوڑے دنوں کے بعد ورقہ بن نوفل فوت ہوگئے اور وحی میں وقفہ پڑھ گیا۔ ہمیں لوگوں کی طرف سے جو خبریں پہنچیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ فترۃ وحی سے رسول کریم ﷺ کو بہت ہی غم ہوا۔ کئی دفعہ آپ باہر جاتے اور ارادہ کرتے کہ کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو نیچے گرادیں مگر جب کبھی آپ پہاڑ کی کسی چوٹی پر اس ارادہ کے ساتھ جاتے کہ اپنے آپ کو نیچے پھینک دیں تو جبریل آتے اور کہتے اے محمد ﷺ آپ تو اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس سے آپ کا جوش تھم جاتا، آپ کا نفس ٹھنڈا ہوجاتا اور آپ واپس لوٹ آتے۔ مگر جب فترۃ وحی کا زمانہ لمبا ہوگیا تو ایک دفعہ پھر آپ اسی ارادہ سے نکلے اور پہاڑ کی چوٹی پر گئے مگر وہاں آپ کو پھر جبریل نظر آئے اور انہوں نے پھر اسی قسم کی بات کی۔

یہ روایت ابتداء وحی کے متعلق مسند احمد بن حنبل میں آتی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب کے ابتدائی باب یعنی بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ میں درج کیا ہے۔ اسی طرح بخاری جلد ۴ باب التعبیر میں بھی یہ حدیث آتی ہے مگر مسند احمد بن حنبل اور بخاری کی اس روایت میں کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔ وہ فرق یہ ہے کہ اس حدیث میں آتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے کہا تَصْدُقُ الْحَدِیْثَ مگر بخاری بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ میں جو حدیث درج ہے اس میں تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ کے الفاظ آتے ہیں۔ یعنی وہ خوبیاں جو دنیا سے معدوم ہوچکی ہیں وہ آپ کمارہے ہیں مطلب یہ کہ وہ اخلاقِ فاضلہ جن پر دنیا عمل نہیں کرتی ان پر آپ کا عمل پایا جاتا ہے۔

دوسرے بخاری کی ابتدائی حدیث میں ورقہ بن نوفل کے متعلق یہ ذکر نہیں آتا کہ کَانَ یَکْتُبُ الْکِتَابَ الْعَرَبِیَّ وہ تورات کو عربی زبان میں لکھوایا کرتے تھے (اصل الفاظ یَکْتُبُ کے ہیں جس کے معنے لکھنے کے ہیں لیکن چونکہ وہ اندھے ہوگئے تھے اس لئے اس کے معنے یہاں لکھوانے کے ہیں۔ ان معنوں میں یہ لفظ استعمال ہوجاتا ہے یا پھر اس کے یہ معنی ہیں کہ اندھا ہونے سے پہلے ایسا کیا کرتے تھے)۔

تیسرے اس حدیث میں یہ ذکر آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کئی دفعہ پہاڑ سے اپنے آپ کو نیچے گرا دینے کا ارادہ کیا لیکن بخاری کی وہ حدیث جو باب بَابُ کَیْفَ کَانَ بَدْءُ الْوَحْیِ میں آتی ہے۔ اس میں اس واقعہ کا ذکر نہیں آتا لیکن بخاری جلد ۴ باب علم التعبیر میں جو حدیث آتی ہے اس میں تَصْدُقُ الْحَدِیْثَ کے بھی الفاظ ہیں۔ کَانَ یَکْتُبُ الْکِتَابَ الْعَرَبِیَّ کے بھی الفاظ ہیں اور اس واقعہ کا بھی ذکر آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کئی دفعہ پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرادینے کا ارادہ کیا۔

چوتھے اس حدیث میں یہ ذکر آتا ہے کہ ورقہ بن نوفل نے کہا یہ وہی ناموس ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ لیکن بخاری میں یہ ذکر آتا ہے کہ اس نے کہا ھٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی مُوْسٰی یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔

بہرحال اس معمولی فرق کے باوجود نفسِ مضمون دونوں حدیثوں کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی بناء پر شراح اور مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پہلی وحی ہے جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ فَاَوَّلُ شَیْءٍ نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الْکَرِیْمَاتُ الْمُبَارَکَاتُ وَھُنَّ اَوَّلُ رَحْمَةٍ رَحِمَ اللّٰہُ بِھَا الْعِبَادَ وَاَوَّلُ نِعْمَةٍ اَنْعَمَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْھِمْ۔ یعنی یہ قرآن کریم کی پہلی بزرگ اور مبارک آیات ہیں جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئیں۔ یہ پہلی رحمت ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا اور پہلی نعمت ہیں جس کے ذریعہ اس نے اپنے فضل سے انہیں سرفراز فرمایا۔

اس جگہ ضمنی طور پر میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ قرآن کریم کی بعض آیات میں بعض انبیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ غلطی سے یہ خیال کرلیتے ہیں کہ وہ خوبیاں ان میں ساری دنیا کے مقابلہ میں ممتاز طور پر پائی جاتی تھیں حالانکہ یہ درست نہیں ہوتا۔ زبان کا یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی خاص طور پر کوئی خوبی بیان کی جاتی ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ اسے ساری دنیا کے مقابلہ میں اس خوبی کے لحاظ سے فضیلت حاصل ہے مراد محض اس زمانہ یا اس کی قوم یا خاندان کے لوگ ہوتے ہیں۔ مثلاً اسی جگہ پر ابن کثیر یہ نہیں کہتے کہ ھُنَّ اَوَّلُ رَحْمَةٍ رَحِمَ اللّٰہُ بِھَا عَلٰی اُمَّةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ یہ وہ پہلی رحمت ہے جو امت محمدیہ پر نازل ہوئی بلکہ کہتے ہیں ھُنَّ اَوَّلُ رَحْمَةٍ رَحِمَ اللّٰہُ بِھَا الْعِبَادَ۔ یہ آیات وہ پہلی رحمت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم و کرم کی بارش کا آغاز فرمایا۔ پھر وہ کہتے ہیں وَاَوَّلُ نِعْمَةٍ اَنْعَمَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْھِمْ۔ یہ پہلی نعمت ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی اور جس کے ذریعہ اس نے اپنے بندوں پر بہت بڑا انعام نازل فرمایا۔ حالانکہ عیسیٰؑ کا کلام اس سے پہلے اتر چکا تھا۔ موسیٰؑ کی کتاب اس سے پہلے آچکی تھی، ابراہیمؑ کے صحف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوچکے تھے۔ درحقیقت یہ ایک محاورہ ہے جو عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ سننے والا پاگل نہیں۔ جب ہم کہیں گے کہ فلاں میں یہ خوبی پائی

Vol. 18 Monthly **Akhbar-e-Ahmadiyya** Germany Issue 07

Ahmadiyya Muslim Jamaat, National Shoba Tasneef, , Genfer Str.11, 60437 Frankfurt/M, Tel:069-50688652, Email:akhbar.ahmadiyya@hotmail.com

جاتی ہے تو لازماً وہ اسے ایک زمانہ کے لوگوں تک محدود رکھے گا۔ یہ نہیں سمجھے گا کہ شروع سے لے کر قیامت تک کے لوگوں پر اسے فضیلت حاصل ہوگئی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں بعض انبیاء کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں وہ بھی اسی طرح اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے ہیں نہ کہ ساری دنیا کے لحاظ سے۔ جس طرح اس جگہ ابن کثیر نے قرآن کریم کی ان آیات کو پہلی رحمت اور پہلی نعمت قرار دیا ہے حالانکہ عیسیٰؑ اور موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور نوحؑ سب اللہ تعالیٰ کا کلام لا چکے تھے۔ بہرحال چونکہ رسول کریم ﷺ کی امت پر پہلی رحمت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی اس لئے انہوں نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے اسے پہلی رحمت قرار دیا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں هِيَ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (فتح البیان)۔ یہ قرآن میں سے پہلا حصہ ہے جو نازل ہوا۔ ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں هٰذِهٖ اَوَّلُ سُوْرَةٍ اُنْزِلَتْ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ (فتح البیان) یہ پہلی سورۃ ہے جو رسول کریم ﷺ پر نازل کی گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی روایت ہے یا پھر لکھا ہے وَقَدْ ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ اَوَّلُ مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ بَعْدَهٗ نٓ وَالْقَلَمِ ثُمَّ الْمُزَّمِّلُ ثُمَّ الْمُدَّثِّرُ (فتح البیان) کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ پہلی سورۃ ہے جو قرآن کریم میں سے نازل ہوئی۔ اس کے بعد نون والقلم نازل ہوئی پھر مزمل نازل ہوئی اور پھر مدثر نازل ہوئی۔

اسی سلسلہ میں بخاری میں كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ کے باب کے تحت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں ایک دفعہ گھر سے باہر جا رہا تھا کہ میں نے آسمان پر اسی فرشتہ کو دیکھا جو غارِ حرا میں آیا تھا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ اس سے میں بہت مرعوب ہوا۔ میں گھر آیا اور کہا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَتَتَابَعَ یعنی جب میں گھر آیا اور مجھ پر کپڑا اوڑھا دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مدثر کی یہ آیات نازل کیں کہ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ اس کے بعد وحی جلد جلد نازل ہونی شروع ہوگئی۔ ان دونوں اقوال میں بظاہر کچھ اختلاف نظر آتا ہے یعنی خازن نے دوسری روایت کو نقل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اِقْرَاْ کے بعد سورۂ نون والقلم نازل ہوئی۔ پھر سورۂ مزمل نازل ہوئی اور پھر سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ اور بخاری کی روایت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِقْرَاْ کے بعد مدثر نازل ہوئی۔ لیکن یہ اختلاف حقیقی نہیں درحقیقت ایک امر کے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔ لوگ عام طور پر خیال کرتے ہیں کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ کے بعد فترۃ وحی ہوئی ہے حالانکہ جو حدیث بخاری میں بیان ہوئی ہے اس سے یہ پتہ نہیں لگتا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہے اس کے کچھ عرصہ بعد ورقہ بن نوفل فوت ہوئے اور پھر فترۃ کا زمانہ آ گیا۔ درمیانی عرصہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا۔ فترۃ وحی چونکہ ایک اہم مسئلہ تھا اس لئے اس کا ذکر کر دیا گیا مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اِقْرَاْ کے بعد فترۃ ہوئی بلکہ اِقْرَاْ کے بعد کچھ اور کلام نازل ہوا تھا اور اس کے بعد فترۃ ہوئی ہے اور یہی بات قرین قیاس بھی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۔ تو اس میں تو کوئی حکم بیان نہیں ہوا پھر کیا حکم دیا تھا جس کے متعلق اِقْرَاْ کہا گیا تھا۔ اِقْرَاْ کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ کوئی باتیں رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے کہنی ہیں۔ وہ کہنے والی باتیں بہرحال اِقْرَاْ کے بعد نازل ہونی چاہئے تھیں۔ چنانچہ اِقْرَاْ کے بعد نون والقلم نازل ہوئی اور اس کے بعد سورۃ مزمل نازل ہوئی اور پھر فترۃ کا زمانہ آ گیا۔ پس میرے نزدیک اصل واقعہ یہ ہے کہ اِقْرَاْ کی ابتدائی آیات اور اسی طرح نون والقلم اور سورۃ المزمل کی کچھ آیات پہلے نازل ہوئیں پھر فترۃ وحی ہوئی اور اس کے ختم ہونے پر سورۃ المدثر نازل ہوئی۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ اس کا یہ مفہوم نہیں تھا کہ میں کتاب نہیں پڑھ سکتا کیونکہ کتاب تو اس جگہ کوئی پیش ہی نہیں تھی۔ ایک حدیث میں بیشک آتا ہے کہ جبریل کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ مگر اس حدیث میں یہ ذکر نہیں آتا کہ جبریل نے وہ کپڑا دکھا کر رسول کریم ﷺ سے یہ کہا ہو کہ اس پر جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھو کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں کیا پڑھوں۔ اگر اس نے کپڑا دکھا کر کچھ پڑھنا ہوتا تو آپ یہ نہ کہہ سکتے کہ میں کیا پڑھوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ کے الفاظ رسول کریم ﷺ نے انکسار کے طور پر استعمال فرمائے تھے آپ ڈرتے تھے کہ میں عہدۂ نبوت کی اہم ذمہ داریوں کو پوری خوش اسلوبی سے ادا بھی کر سکوں گا یا نہیں۔ یہی حال ہر نبی کا ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصاحت رکھتا ہے اسے بھی میرے ساتھ بھجوا دیئے ایسا نہ ہو کہ میں اپنی مافی الضمیر کو وہاں عمدگی سے بیان نہ کر سکوں اور اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کر جاؤں۔ یہ تو قرآن کریم کا بیان ہے تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کا نام نہیں لیا بلکہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت کا کام ان کے سپرد کیا گیا تو انہوں نے کہا

"اے میرے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں۔ جس کو چاہے تو اس کے وسیلہ سے بھیج"۔ (خروج باب ۴ آیت ۱۳)

یعنی میں اس خدمت کا اہل نہیں کسی اور شخص کو اس عہدہ پر کھڑا کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی یہ کام سپرد کر دیا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چالیس دن کیلئے پہاڑ پر گئے تو بعد میں حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کو سنبھال نہ سکے۔ باوجود ان کے منع کرنے کے وہ شرک میں مبتلا ہوگئے اور بچھڑے کی پرستش کرنے لگ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا کہ دیکھ لو انتخاب وہی صحیح تھا جو ہم نے کیا۔ تم نے اپنے لئے ہارون کا انتخاب کیا تھا مگر ہارون قوم کی نگرانی نہ کر سکا۔

بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب نبوت کا کام کسی عظیم الشان انسان کے سپرد کیا جاتا ہے تو طبعی طور پر وہ گھبراتا اور ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کسی کوتاہی کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔ رسول کریم ﷺ کی طبیعت میں حجاب بھی تھا، انکسار بھی تھا، اپنے اہم فرائض کو دیکھتے ہوئے خوف بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے استغناء کا بھی آپ کو احساس تھا اور ادب کی وجہ سے آپ یہ کہنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے کہ میری جگہ کسی اور کو مقرر کر دے میں اس کام کے قابل نہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر جیسے تجاہل عارفانہ کے طور پر کوئی بات کہہ دی جاتی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ حالانکہ اس وقت آپ کو پڑھنے کیلئے نہیں کہا گیا تھا۔ درحقیقت یہ ادب کا طریق تھا جو رسول کریم ﷺ نے اپنے جذبات کے اظہار کیلئے اختیار فرمایا۔ آپ نے سمجھا کہ براہ راست انکار کرنا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہوگی اور اگر میں نے کہا کہ میں اس کام کے قابل نہیں تو یہ بھی ادب کے خلاف ہوگا اس لئے میں کوئی اور رنگ اختیار کروں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے یہ رنگ اختیار کیا کہ آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھے لکھے آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔ میں نے کیا کام کرنا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ خود فرشتہ نے بھی آخر میں ظاہر کر دیا تھا کہ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ پڑھو بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں اسے ساتھ ساتھ دہراتے جاؤ۔ قَرَاَ کے دونوں معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو دہرانا یا لکھے ہوئے کو پڑھنا۔ پس جب فرشتے نے کہا اِقْرَاْ تو درحقیقت اس کے یہ معنے نہ تھے کہ لکھے ہوئے کو پڑھو۔ کیونکہ لکھا ہوا پڑھنا اس وقت مدنظر ہی نہیں تھا۔ فرشتے کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے زبانی دہراتے جاؤ چنانچہ جب رسول کریم ﷺ نے ان الفاظ کو دہرا دیا تو چونکہ اس کا مقصد حاصل ہو گیا اس لئے وہ واپس چلا گیا۔

ابتداء وحی ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جیسا کہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہ پہلی رحمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا اور پہلی نعمت ہے جس سے اس نے اپنے فضل سے انہیں حصہ عطا فرمایا۔ پس اس سورۃ کی ابتدائی آیات اس لحاظ سے خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ قرآن کریم کیلئے بمنزلہ بیج اور گٹھلی کے ہیں اور ان آیات کے نزول کے بعد باقی قرآن نازل ہوا ہے۔ یوں تو سارا قرآن ہی اہمیت رکھتا ہے مگر جذباتی طور پر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ ایسی اہمیت رکھنے والی آیات ہیں کہ جب انسان ان کو پڑھتا ہے اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور وہ کہتا ہے یہ وہ آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے قرآن سے روشناس کرایا۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے دوست آپس میں ملتے ہیں تو وہ ایک دوسرے سے بعض دفعہ خاص طور پر اس امر کا ذکر کرتے ہیں کہ ان کی دوستی کا آغاز کس طرح ہوا یا میاں بیوی آپس میں مذاکرہ کرتے ہیں تو وہ بھی بعض دفعہ بڑے شوق سے یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہمارا نکاح کس طرح ہوا۔ اگر معمولی دنیوی واقعات ایسی اہمیت رکھتے ہیں کہ انسان ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وہ آخری کلام جس کے ذریعہ دنیا قیامت تک ہدایت پاتی رہے گی، جس کے ذریعہ انسانی پیدائش کا مقصد پورا ہوا، جس کے ذریعہ خالق اور مخلوق کا تعلق آپس میں قائم کیا گیا، اسکی بنیاد جن آیات پر ہے ان کی اہمیت اور عظمت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے۔ جس طرح میاں بیوی شوق سے باہم ذکر کرتے ہیں کہ ہمارا نکاح کس طرح ہوا یا دوست شوق سے یہ ذکر کرتے ہیں کہ ہماری دوستی کا آغاز کس طرح ہوا اسی طرح اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ وہ الفاظ ہیں جن کو پڑھتے ہی انسان کا دل فرطِ محبت سے اُچھلنے لگتا ہے، اُس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی ہے، اُس کے خوابیدہ جذبات میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کہتا ہے یہ وہ آیات ہیں جن کے ذریعہ مجھے اپنے رب کا وصال حاصل ہوا۔ جن کے ذریعہ انسان اور خدا کا باہمی رشتہ جوڑا گیا اور دوستی کا وہ آخری مرحلہ قائم کیا گیا جو خدا اور بندے کے درمیان ہونا چاہئے"

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ نمبر ۲۲۱ تا ۲۲۶)